ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی

فکر اسلامی کا ارتقا اور مولانا امین احسن اصلاحی

(۱۹۰۳۔۱۹۹۷)

[’نقطۂ نظر‘ کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

انیسویں اور بیسویں صدی کے اہل علم میں بھی چند لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اجتہادی فکر سے کام لیا ہے۔ ان میں قرآنیات کے باب میں مولانا حمید الدین فراہیؒ ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، مولاناؒ نے قرآنیات پر انتہائی ٹھوس اور جوہری کام کیا ہے۔ انھیں کے ارشد تلامذہ میں مولانا امین احسن اصلاحی بھی تھے، جنھوں نے اپنے استاذ کی قرآنی فکر کا ایک وافر حصہ پایا تھا، اور جلالت علمی کے ساتھ اس فکر کی شرح وتفصیل کی۔ فکر اسلامی کے میدان میں برصغیر ایک نمایاں مقام رکھتا ہے، جس میں فکر اسلامی کی تطہیر اور احیاء کے سلسلہ میں مکتبہ فراہی کا حصہ بہت بنیادی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی اس مکتبہ فکر کے گل سر سبد اور سب سے بڑے شارح تھے، انھوں نے فکر اسلامی کی متوازن شرح وتعبیر کی ہے، چنانچہ بحیثیت ایک اسلامی مفکر بھی وہ ایک بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ مولانا عہد حاضر کے ایک نابغہ فکر تھے۔ ان کا اصل میدان قرآنیات تھا، تاہم ایک لمبے عرصہ تک جماعت اسلامی کے ساتھ منسلک رہنے کی وجہ سے وہ اس میدان پر پوری طرح توجہ نہیں دے سکے تھے۔ جماعت سے علیحدگی کے بعد انھوں نے اپنے اصل میدان کی طرف رخ کیا، اور تدبر قرآن، مبادی تدبر قرآن، تدبر حدیث، مبادی تدبر حدیث جیسے ممتاز علمی وفکری کارنامے یادگار چھوڑے، جن کا فکر اسلامی کی تجدید وارتقاء میں ایک نمایاں حصہ ہے۔ ان کی ہر بات اور ہر تحقیق

سے اتفاق کرنا ضروری نہیں ،مسئلہ رجم اور اس ضمن میں بعض صحابہؓ وصحابیاتؓ کی شان میں ان کے قلم نے لغزش کی ہے۔ان کی اس طرح کی رایوں کا علمی طور پر جائزہ لینا چاہیے اور اہل علم یہ کام کر بھی رہے ہیں۔

تدبرقرآن

مولانا اصلاحی کی یہ تفسیر ان کی چالیس سال کی کوششوں ،غور وفکر اور تدبر کا نتیجہ ہے ،جس میں اصل بنیاد صرف کتاب وسنت کو بنایا گیا ہے۔جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:

''کتاب وسنت کے سوا میں کسی چیز کو حجت نہیں سمجھتا ،اور غور وتدبر میرے نزدیک انسانی فضائل میں سب سے برتر اور سب سے اعلیٰ فضیلت ہے''۱۔

فکر اسلامی کی بنیاد کتاب وسنت ہیں ،اور یہی دونوں مولانا کے علمی جہاد وتحقیق اور غور وفکر کا اصل محور ومرکز ہیں۔اس لحاظ سے تدبر قرآن فکر اسلامی کے پورے سرمایہ میں ایک نہایت بنیادی اضافہ ہے ،تدبر قرآن کو لکھنے کے لیے انھوں نے کس قدر محنت کی ہے ،عمر عزیز کا بیشتر حصہ اس کی تیاری میں کسی طرح خرچ کیا ہے اور کس قدر جان کاہی کا ثبوت دیا ہے اس کی تصویر ان کے بلیغ قلم نے یوں کھینچ دی ہے کہ:

''میں نے قرآن حکیم کی ایک ایک سورہ پر ڈیرے ڈالے ہیں ،ایک ایک آیت پر فکری مراقبہ کیا ہے''۲۔

واقعہ یہ ہے کہ ان کے گہربار قلم نے مکتبہ فراہی کی کما حقہ ترجمانی اور سلفیت حقہ کا عہد جدید میں علمی اظہار کیا ہے ،ان کی تفسیری خصوصیات پر قلم اٹھانا تو ماہرین تفسیر کا کام ہے کہ ان کے امتیازات گوناگوں ہیں ،لیکن ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے راقم کے نزدیک ان کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو انھیں دوسرے ہم عصر مفسرین سے ممتاز کرتی ہیں۔

خصوصیت

۱ ملاحظہ ہو صفحہ ۸ دیباچہ تدبر قرآن جلد اول طبع تاج کمپنی دہلی۔

۲ صفحہ ۴۱ مقدمہ تدبر قرآن جلد اول۔

ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی پوری تفسیر میں اجتہادی شان نمایاں ہے، عہد جدید میں لکھی گئی تفسیروں میں سید رشید رضاؒ کی المنار ابوالکلام آزادؔ کی ترجمان القرآن اور علامہ ازھر میرٹھیؒ کی مفتاح القرآن

اس معاملہ میں بعض اعتبارات سے تدبر سے مشابہت رکھتی ہیں۔ ان تفسیروں کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ سب اجتہادی فکر کے داعی ہیں، جہاں تک صاحب تدبر کی بات ہے تو اپنی طباعی، دقیقہ رسی اور عربیت کے شناور ہونے کے باعث ان کی سطر سطر انفرادیت لیے ہوئے ہے، انھوں نے اپنے استاذ مولانا فراہی کی فکر وبصیرت سے بھرپور استفادہ کیا ہے، اور تفسیر میں جا بجا اس کا اعتراف بھی کیا ہے، تاہم وہ ان کے بھی مقلد محض نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات ان سے بھی اختلاف کرتے نظر آتے ہیں۔۳

ان کی دوسری خصوصیت ان کا علمی اعتماد اور جرأت اظہار ہے،... وہ دوسرے مفسرین سے پوری صراحت کے ساتھ اختلاف کا اظہار کرتے ہیں، اور پوری قوت سے اپنی بات پیش کرتے اور دلائل دیتے ہیں، البتہ یہی انتہا درجہ کا اعتماد کہیں کہیں ادعائی رخ بھی اختیار کر لیتا ہے۔

تیسری اہم یہ ہے کہ وہ تفسیر میں جا بجا نماز کی اہمیت، دین میں اس کے مقام ومرتبہ نیز اس کے فلسفہ پر بڑے اہتمام سے روشنی ڈالتے ہیں، اور توازن واعتدال کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، اور وسائل ومقاصد کے مابین فرق، اور اہمیت وتعلق کو نہایت خوبی واعتماد کے ساتھ بیان کرتے ہیں مثلاً سورہ بقرہ آیت نمبر ۸۳ کے تحت (نماز وزکوٰۃ کے سلسلہ میں) لکھتے ہیں:

> ''اوپر اللہ ہی کی عبادت کرنے نیز اعزا واقرباء اور مساکین ویتامی کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی گئی ہے، اقامت صلاۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے ان تمام نیکیوں کی شیرازہ بندی ہوتی ہے، اسی وجہ سے اجزاء کے ذکر کے ساتھ ان اصولی چیزوں کا بھی ذکر کر دیا ہے جس سے آپ سے آپ یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اگر نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے تو تمہارے لیے اوپر بیان کی ہوئی نیکیوں کا انجام دینا بھی آسان رہے گا۔ اور نماز وزکوٰۃ کو ضائع کر دو گے تو پھر سب کچھ ضائع کو بیٹھو گے'' (تدبر قرآن صفحہ ۲۶۵ جلد اول تاج کمپنی دہلی)

چوتھی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ دینی حقائق صبر وصلاۃ اور زکوٰۃ، صوم وحج، توحید اور بر وقسط

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وغیرہ کے باہمی ربط وتعلق کی وضاحت کرتے جاتے ہیں جس سے ان کی حقیقت معلوم ہونے کے ساتھ ہی دین اور اس کے اساسات و واجبات کا پورا سلسلہ بھی باہم مربوط ہوکر قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ مثلاً صلاۃ واقامت صلاۃ کی بحث صفحہ ۹۱ تا صفحہ ۹۳ جلد اول اور نماز زکوۃ اور صبر کے باہمی تعلق پر بحث، صفحہ ۱۹۷ تا ۱۹۹ دیکھی جاسکتی ہے۔

ان کا ایک نمایاں وصف ان کے وہ گہرے اشارات ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ نفس دین کو سمجھنے کی راہ کھلتی ہے بلکہ تفقہ فی الدین کا مذاق بھی پیدا ہوتا ہے اور دین کی روح اور اس کی حقیقت تک رسائی ہوتی ہے، کتاب وسنت کے بہت سے سربستہ راز کھلتے اور بہت سے حقائق سے پردہ اٹھتا ہے مثال کے طور پر عبادت، رب اور دین کا اصل مفہوم کیا ہے (صفحہ ۵۵ تا ۵۷) اور اسلام کی بنیادی نیکیاں کیا ہیں (صفحہ ۱۰۴) نیز یہ کہ دین کی اصل جذبہ شکر ہے نہ کہ جذبہ خوف (صفحہ ۶۴ تا ۶۵ تدبر جلد اول) اس کے بہترین نمونے ہیں۔

تزکیہ نفس

تزکیہ نفس قرآن کے نقطۂ نظر سے انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد ہے، اس کے وسائل و ذرائع تلاوت آیات، تعلیم کتاب وحکمت ہیں۔ اسی کی عملی جد وجہد کو دعوت دین یا اقامت دین کی جدوجہد کہتے ہیں، جن کا انتہائی ہدف یہ ہوتا ہے کہ ایک با اختیار آزاد مسلم معاشرہ وجود میں آجائے اور اس پر دین مکمل طور پر نافذ ہوجائے۔ اسی طرح تزکیہ نفس انفرادی واجتماعی زندگی کے

۳؎ مثلاً سورہ نمل کے علاوہ، قرآن میں آیت بسم اللہ کی جگہ مسئلہ، کہ اس میں ایک مذہب فقہائے مدینہ، بصرہ اور شام اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے، جس کی رو سے آیت بسم اللہ قرآن کی کسی سورہ کا جز نہیں اور نہ ہی مستقل آیت ہے، دوسری رائے مکہ وکوفہ فقہاء وقراء اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہے، جو اسے ہر سورۃ کی ایک آیت قرار دیتے ہیں، مولانا فراہی مؤالذکر مذہب کی طرف مائل ہیں، جبکہ مولانا اصلاحی کا رجحان فقہائے مدینہ کی رائے ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ملاحظہ ہو صفحہ ۴۹ تدبر قرآن جلد اول، اسی طرح آیت کریمہ استعینو باالصبر و الصلوٰۃ کی تشریح میں مولانا نے اپنے استاذ سے تھوڑا سا مختلف نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۱ تدبر قرآن جلد اول نیز حاشیہ۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تمام پہلوؤں کو محیط ہے، لیکن تزکیہ کے تعلق سے معاشرہ میں مختلف، متضاد اور اکثر اوقات میں منحرف رجحانات رائج ہیں،

صوفیاء اور ان کے زیر اثر طبقات کے ہاں ارادت، افتراق شریعت وطریقت اور فنا فی الشیخ کے مختلف خیالات ونظریات کے مابین اس کی اصل حقیقت گم ہوگئی، بیسویں صدی کی بعض اسلامی تحریکات میں سیاسی مظاہر زیادہ اعتبار پا گئے، اور اس طرح دین کی ایک اہم حقیقت نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

مولانا اصلاحی کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تزکیہ نفس پر قلم اٹھایا، اور اس کی اساس خالصتاً کتاب وسنت کو بنایا، اور ثابت کیا کہ وہ صرف انفرادی زندگی کے لیے نہیں بلکہ اجتماعی زندگی کو بھی محیط ہے، نیز شریعت وطریقت جدا نہیں بلکہ ایک ہی چیز کے دو رخ ہیں، اور دونوں ہی مطلوب ہیں۔ انھوں نے روایتی خانقاہیت کی غلطیوں کو واضح کیا، روحانیت و دین داری کے مروجہ تصورات پر کھلی تنقید کی، اور علم تزکیہ کی تدوین کے سلسلہ میں ایک بنیادی کام کر دیا، جس پر مزید کام کر کے اس کی تکمیل کی جا سکتی ہے۔[۴]

تاہم راقم سطور کا خیال ہے کہ فرد اور خدا کے تعلق (تعلق باللہ) کی ضروری بحث مولانا سے نظر انداز ہوگئی ہے۔

دعوت دین اور اس کا طریقہ کار

دعوت دین کے سلسلہ میں بھی مختلف ومتضاد رویے پائے جاتے رہے ہیں، ماضی کی تاریخ میں بھی اس تعلق سے کسی قدر غموض وابہام پایا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ حدیث، فقہ وسیرت کی کتابوں میں دعوت وتبلیغ دین کے عنوان پر الگ سے ابواب نہیں ملتے، بلکہ غزوات وسرایا کے ذیل ہی میں اس کچھ بات آجاتی ہے جو بہت تشنہ ہوتی ہے اور جدید ذہن کو اپیل نہیں کرتی۔، اور اس سے یہ چیز بھی واضح نہیں ہو پاتی کہ دعوت میں قتال کا مرحلہ کب آتا ہے، اتمام حجت کی شکل کیا بنتی، اہل کفر سے قتال کو عقلاً کس طرح Justify کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد قدیم اسلامی لٹریچر میں

---

۴ اسی سلسلہ میں مولانا کی کتاب تزکیہ نفس (دو جلد) علم تزکیہ کی نمایندہ کتاب ہے۔ نیز ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب، نیز صفحہ ۵۶ جزء اول

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایک مکتبہ فکر فقہاء کا ہے، جس کی رو سے اہل اسلام اور اہل کفر کے مابین اصل نسبت محاربہ کی ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی معروف کتاب ہدایہ کا جزئیہ ہے، قتال الکفار واجب وان لم یبدؤونا اسی سے ملتی جلتی بات ابن القیمؒ نے زادالمعاد میں جہاد کی فہرست کے مراحل پر بحث کرتے ہوئے لکھی ہے، جس میں مشہور حدیث امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان الاالہ الاالله سے استدلال کرتے ہوئے جہاد ھجوم کو اہل اسلام پر فرض قرار دیا ہے۔

متاخرین فقہاء کے ہاں روح دین اور حکمت شریعت پر توجہ کم، بے لچک قانونیت، ظاہر پرستی اور فقہی موشگافیاں غالب ہیں۔ یہ خوش آیند ہے کہ معاصر فقہاء اور اہل فکر اس سلسلہ میں اجتہاد کر رہے ہیں۔ حال ہی میں فقیہ العصر علامہ یوسف القرضاوی نے جہاد و دعوت کے موضوع پر عصری اسلوب میں ایک نہایت جامع کتاب فقہ الجہاد لکھی ہے جو آج عالم عرب میں موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ (ملاحضہ ہو انٹرنیٹ پر قرضاوی کی سائٹ)

اس کے بالمقابل دوسرا نقطۂ نظر صوفیاء کا تھا، جن کے ہاں مخاطب کی رعایت، انسان دوستی و خدمت خلق کے فلسفہ کے باعث کفر و اسلام کے مابین امتیاز بھی ختم سا ہو گیا تھا، بعض اوقات انھوں نے مقامی تصورات و رسوم کو بھی وسیلۂ تبلیغ کے طور پر اختیار کر لیا۔ بلاشبہ محقق صوفیا، ہمیشہ ان غالی خیالات کی تردید کرتے رہے، لیکن ان کے اکثر طبقات و سلاسل پر یہی رجحانات غالب رہے۔ جس میں وحدت الوجود کے فلسفہ نے توحید و شرک کے مابین سارے فاصلے ہی ختم کر دئے۔ دور جدید میں تصوف کے زیر اثر حلقوں میں ایک اور فلسفہ نمودار ہوا، جس کی ترجمانی برصغیر میں تبلیغی جماعت کا پیٹرن کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمان عوام پر اصلاح و تبلیغ کے اس فکر کے گہرے اثرات پڑے ہیں تاہم اس کا یہ پہلو بہت کھٹکتا ہے کہ اس میں نہی عن المنکر کے پہلو کو مکمل طور پر فراموش کر کے امر بالمعروف اور بشارت کے پہلو پر زور صرف کیا جاتا ہے، اور احادیث فضائل سے خاص طور پر مدد لی جاتی ہے۔ دوسری طرف اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی بعض علم بردار تحریکوں نے حکومت الٰہیہ کے قیام کو اپنا ہدف ٹھہرا کر دعوت کا آغاز کیا، اور اسی کے فریم میں رکھ کر انھوں نے دین کی مجموعی تعبیر بھی کی۔[۵]

۵۔ ہدایہ نیز فتح القدیر و عالمگیری، بحوالہ دارالاسلام اور دارالحرب عبدالعلیم اصلاحی صفحہ ۸۔۹ مکتبہ الاقصی۔

اسی افراط وتفریط کے مابین مولانا اصلاحی مرحوم نے دعوت دین اور اس کے طریقہ کار پر قلم اٹھایا،

اور قرآنی نقطۂ نظر سے دعوت دین کا مکمل فلسفہ مرتب کر دیا، مولانا کی یہ کتاب اس موضوع پر شاہ کار کا درجہ رکھتی ہے، کیونکہ دعوت اسلامی کے فلسفہ پر تحریکات اسلامیہ کے پورے لٹریچر میں اس جیسی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔[6] عالم اسلام کی دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمہ کی ضرورت ہے، اگرچہ آج اس کے بعض مباحث پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

دین وسیاست کے مابین ربط وتعلق کی نشاندہی بھی ایک دشوار گزار عمل ہے، اس کی نزاکت کی وجہ سے اچھے اچھے اذہان کہیں سے کہیں نکل گئے ہیں، اسی سلسلہ میں تعبیر کی ایک انتہا تو وہ ہے جس میں دین کو قریب قریب اسٹیٹ کے معنی میں لیا گیا ہے، جس کے ترجمان مولانا مودودیؒ ہیں جو بیسویں صدی کے سب سے بڑے اسلامی متکلم اور عمرانی مفکر سمجھے جاتے ہیں،[7] اس کے ردعمل میں ایک دوسری انتہا وہ ہے جو اس وقت ''علم جدید کے چیلنج'' جیسی فکری اور ''تعبیر کی غلطی'' جیسی ناقدانہ کتاب کے مصنف مولانا وحیدالدین خاں کے یہاں پائی جارہی ہے کہ اب ان کے یہاں دین کی اجتماعی تعلیمات کو ثانوی درجہ دینے کی کوشش نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔[8]

اس سلسلہ میں مولانا اصلاحیؒ کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اس پر خطر وادی کو بہت اعتدال کے

---

[6] دعوت کے موضوع پر اخوان المسلون اور دوسری تحریکات کے لٹریچر اور مولانا کی اس کتاب کا تقابل کیا جائے تو اس کی اہمیت زیادہ وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔

[7] قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں (باب دین) خطبات اور اسلامی سیاست میں بھی یہ موقف دہرایا گیا ہے۔

[8] اسی رجحان کے اولین نقوش الرسالہ کے بہت سے مضامین میں سامنے آئے، اس کے بعد اس رجحان میں اضافہ ہوتا گیا اور اب تو وہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔

[9] اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جماعت کی فکری Terminology میں اقامت دین کی قرآنی اصطلاح کا اضافہ مولانا نے ہی کیا ہے، جسے حکومت الٰہیہ کی جگہ پر اختیار کر لیا گیا۔ اگرچہ راقم کو اس اصطلاح کو قرآنی وشرعی اصطلاح ماننے میں تامل ہے۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

ساتھ طے کیا ہے، ان کی تحریروں بالخصوص ''دعوت دین اور اس کا طریقہ کار'' نیز ''اسلامی ریاست'' اور ''تفہیم دین'' میں ان کا یہ وصف بہت نمایاں ہے، حتیٰ کہ جب وہ جماعت اسلامی کے ساتھ منسلک تھے اس وقت بھی انھوں نظم جماعت کی پابندی کے باوجود اپنی فکری اصالت کو برقرار رکھا، یہاں تک کہ اس وقت جماعت کے فکری اعتدال میں بھی ان کا بہت کچھ رول رہا۔[9]

لیکن تقسیم ملک کے بعد جب جماعت اسلامی پاکستان نے یکا یک چھلانگ لگا کر انتخابی سیاست میں اترنے کا فیصلہ کر لیا اور عملاً اپنے طریقہ کار میں تبدیلی کر لی تو اس وقت مولانا اس سے بددل ہو گئے اور ان پر یہ بات منکشف ہو گئی کہ یہ فکر کسی نہ کسی موڑ پر توازن اور اصالت کھو بیٹھا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں دراصل مولانا اصلاحیؒ ہی کی رائے کا خلاصہ کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں کوئی حتمی بات نہیں کی جا سکتی اس موضوع پر بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے، البتہ مقالہ نگار کو مولانا اصلاحی کا نقطۂ نظر راجح معلوم ہوتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عقاید و کلامیات کے موضوع پر ایک پورا مکتب موجود ہے، اس فن کے تعلق سے ابن خلدون لکھتے ہیں:

> ''علم کلام وہ علم ہے جس کے ذریعہ عقلی دلائل سے ایمانی عقائد پر حجت قائم کی جاتی ہے، اور اعتقادات میں اہل سنت و اسلاف کے مذہب سے روگردانی کر کے باطل نظریات رکھنے والوں کی تردید کی جاتی ہے، اور ان ایمانی عقاید کا مرکزی نقطہ توحید ہے۔[10]

اس پورے ذخیرہ میں جو چیز سب سے زیادہ کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی چھاپ اصلاً منطقی ہے، اور وہ یونانی برھانیات پر قائم ہے اس میں قرآنی طرز استدلال کو اختیار نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا قدیم علم کلام اپنی تمام تر افادیت کے باوجود صرف چند فروعی مباحث اور مسئلہ صفات الٰہی کے بارے میں دو راز کار موشگافیوں تک محصور ہو کر رہ گیا ہے، وہ سائنٹیفک اور جدید عقلیات کا جواب نہیں دے سکتا، واقعہ یہ ہے کہ یہ علم کلام اصلا چند منحرف اسلامی فرقوں، معتزلہ، جہمیہ، قدریہ جبریہ اور روافض نیز شعوبی و زندیقی تحریکوں کے ردعمل کے طور پر ظہور میں آیا تھا، لہٰذا الحادی فکر کے مقابلہ میں وہ کوئی ٹھوس علم کلام نہیں ہے۔ مولانا اصلاحی کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے

۱۰؎ ملاحظہ ہو ابن خلدون ۶۶۔۴۶۵۔

خالصۃً قرآنی استدلالات کے ذریعہ توحید و شرک کے فلسفوں پر روشنی ڈالی ہے اور اس طرح ایک قرآنی علم کلام کی بنا رکھی، بلا شبہ وہ عہد جدید کے ایک قرآنی متکلم ہیں، تاہم اس سلسلہ میں اور مولانا وحید الدین خاں کی شاہکار کتاب ''علم جدید کے چیلنج'' کے اسلوب میں مزید کام کرنے اور اسے بڑھانے کی ضرورت ہے۔[11]

حدیث کے ذخیرہ پر روایت و درایت دونوں ہی لحاظ سے کام کرنے کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے۔ لیکن غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اسناد اور روایت کے لحاظ سے حدیث کی تحقیق مکمل ہو چکی ہے، اب صرف احادیث کی عملی تطبیق و توجیہ کی ضرورت ہے، حالانکہ دیگر کتب کی تو بات ہی کیا خود بخاری و مسلم میں کتنی ہی کمزور و سقیم روایتیں موجود ہیں، اور اہل تحقیق نے ان کی نشاندہی کی ہے،[12] اس کا مطلب یہ ہے کہ اصول حدیث پر کام کرنے اور بحث و تحقیق کے نئے موازین کی ضرورت باقی ہے۔ اس احساس کے تحت ہی مولانا نے مبادی تدبر حدیث کے عنوان سے بعض نئے قواعد و اصول قرآن و سنت اور فقہاء متقدمین کے اشارات سے مستنبط کیے ہیں، اس سلسلہ میں ان کے بعض تفردات سے یقیناً اختلاف کیا جا سکتا ہے تاہم یہ کام اپنی جگہ پر اہم اور اہل علم کی توجہ اور غور و فکر کا مستحق ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

---

۱۱ اس کی نمایندہ کتابیں حقیقت توحید، حقیقت شرک، حقیقت تقویٰ، حقیقت نماز اور فلسفہ کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ہیں۔

۱۲ اس سلسلہ کی اہم ترین کوششیں علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی کی کتاب ''صحیح بخاری کا ایک تحقیقی مطالعہ'' ہے۔ کتاب دو حصوں میں ہے اور پہلا حصہ طبع ہو چکا ہے جس میں مؤلف نے ان حدیثوں سے بحث کی ہے جو ان کی تحقیق میں بالکل غلط ہیں، مولانا میرٹھیؒ ہی کی ایک دوسری علمی و تحقیقی کاوش بخاری کی شرح تحفۃ القاری ہے۔ جسکی تکمیل تو ہو چکی لیکن ہنوز طباعت اور نشر اشاعت کی نوبت نہیں آ سکی، اور جس میں انھوں نے پورے ذخیرہ حدیث پر ایک گہری تحقیقی و تنقیدی نظر ڈالی ہے، نیز دیکھیں مولانا عمر احمد عثمانی کی کتاب فقہ القرآن اول۔ علامہ ازہر میرٹھی قرآنیات کے ساتھ ہی علوم حدیث پر زبردست نظر رکھتے ہیں اور اس طرح وہ خود ایک مکمل مکتب فکر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فکر اسلامی کا غلبہ اور اس کی نشو ونما جہاد (دعوت) واجتہاد سے جڑا ہوا ہے، کہ یہ دونوں اس کے ارتقاء کے ناگزیر عناصر ہیں۔ دور زوال میں امت کے اندر اجتہادی فکر سب سے زیادہ متاثر ہوئی، اس کا جتنا فقدان ہوتا گیا اتنی ہی تیزی سے اسلامی زندگی کے ہر شعبہ میں تنزل وانحطاط کی ہمہ گیری بڑھ گئی کتاب وسنت سے براہ راست استفادہ معلوم ہوگیا، ارباب افتاء وقضاء نے بعد کے فقہاء پر کلی اعتماد کر کے فقہ اسلامی کو جمود آشنا کر دیا، اور اس کا براہ راست رابطہ کتاب وسنت سے کاٹ دیا گیا۔ کتاب وسنت عملاً مقاصد کے بجائے فقہ کے وسائل ہو کر رہ گئے، اور زندگی کے ہر میدان میں امت عقلی جمود اور فکری تعطل کا شکار ہو کر رہ گئی۔ جبکہ کتاب وسنت میں اجتہاد کی بڑی اہمیت بتائی گئی تھی یہی وہ سر چشمہ تھا جس سے امتی زندگی کے سوتے پھوٹتے تھے، اور اسی کے ذریعہ امت ایک مسرت آمیز نشاط سے ہم کنار ہو سکتی تھی۔ حتیٰ کہ اس کے لیے شریعت نے غلطی کا رسک بھی گوارا کیا تھا، اور غلط کرنے پر بھی مجتہد کے لیے ایک اجر کی بشارت دی تھی، چنانچہ صاف طور پر کہا گیا تھا: اذا قضی الحاکم فاجتهد ثم اصاب فله اجران، واذا قضی الحاکم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر واحد[۱۳]۔ لیکن اس واضح نص کے علی الرغم دور زوال میں اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا، اور تفسیر حدیث وفقہ ہر چیز میں متاخرین یا متقدمین کی اندھی تقلید اور اقوال سلف کے نقل در نقل کرنے کا رواج پڑ گیا، نتیجہ کتنی ہی غلط وموضوع روایات کا چلن عام ہوگیا، کتنی ہی آیات واحادیث کے صحیح مفہوم پر پردہ پڑ گیا، کتنی ہی نئی چیزیں دین میں داخل کر لی گئیں، اور شخصیت مسلم مجموعی طور پر مضمحل ہو کر رہ گئی، اس تاریک صورت حال میں مولانا اصلاحی ان چند لوگوں میں سے ہیں جن کے سرمایہ علم وتحقیق سے غور فکر کے نئے آفاق کھلتے ہیں اور اجتہادی فکر پیدا ہوتی ہے، ان کا کام بجائے خود ایک بڑا اجتہادی عمل ہے، اس سلسلہ میں کم از کم برصغیر کی حد تک چند ہی نام ایسے ہوں گے جو اس معاملہ میں ان کے شریک وسہیم ہوں، جو اختلاف طبائع، تفاوت مراتب اور اختلاف فکر واسلوب کے ساتھ اسی راہ کے رہبر ہیں، اور اسی مبارک قافلہ کے ارکان ہیں۔

کسی بھی فکر کی کامیابی کی ضمانت اس میں ہے کہ وقت کے علمی معیار پر اسی کے علمی وفکری شارحین کا تسلسل برقرار رہے، مکتبہ فراہی کا یہ امتیاز ہے کہ اس کی ترجمانی وقت کی جلیل القدر علمی شخصیات کرتی رہی ہیں جس میں سب سے بڑا حصہ خود مولانا اصلاحی کا ہے، اس کے ساتھ ہی ان

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کی ایک بڑی کامیابی یہ بھی ہے کہ اپنے فکر کی ترجمانی وشرح کے لیے اپنے تلامذہ کی ایک ایسی ٹیم تیار کر دی، جو دور حاضر کے اعلیٰ علمی معیار پر اس فکر کی توضیح وترجمانی کر رہی ہے، مستقبل میں ایسے ہی افراد امت کی نشاۃ ثانیہ کے خواب کو تعبیر دے سکتے ہیں۔[۱۴]

۱۳؎ بخاری کتاب الاعتصام عن عمرو بن العاص، ومسلم کتاب الاقضیۃ، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حاکم فیصلہ کرنے میں اجتہاد سے کام لے اور صحیح بات تک پہنچ جائے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا، ایک اس کے اجتہاد کرنے کا، دوسرے درستگی تک پہنچ جانے کا۔ لیکن اگر اجتہاد کرنے میں غلطی کر جائے تو اسے اکہرا اجر ملے گا، مطلب یہ ہے کہ اجتہاد ہر حال میں مطلوب ہے گرچہ کہ غلطی کا امکان ہو۔

۱۴؎ مولانا اصلاحیؒ کے تلامذہ میں ڈاکٹر خالد مسعود اور جاوید احمد غامدی قابل ذکر ہیں، جو جدید تحقیقی وعلمی معیار پر کام کر رہے ہیں، ان کے علاوہ بھی پاکستان میں ان کے اور بھی فیض یافتگان ہیں، ہندوستان میں آپ کے تلامذہ ومستفیدین ان کے علاوہ ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com